© rasailojaraid.com

حضرت مولانا محمد میاں صاحبؒ

فنا میں بقا - ایک فریبِ نظر

لازوال بحث

دو کلمے ہیں سبحان اللہ والحمد للہ۔ زبان نے حرکت کی اور یہ کلمے (بول) سنے گئے۔ حرکت ختم ہو گئی آواز بھی ختم ہو گئی۔ مگر کیا یہ الفاظ بھی ختم ہو گئے جو زبان سے صادر ہوتے تھے۔ پوری دنیا ہمیشہ اس فریب میں مبتلا رہی۔ کہ یہ الفاظ ختم ہو گئے۔ افلاسفہ اور منطقی حضرات اپنی چمکتی ہوئی دلیلوں سے یہی ثابت کرتے رہے کہ الفاظ اعراض ہیں جن کی اپنی کوئی ہستی نہیں ہوتی کسی دوسری چیز کے سہارے ان کا نمائشی وجود ہوتا ہے جو آناً فاناً ختم ہو جاتا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ "سبحان اللہ والحمد للہ تملآن ما بین السماء والارض" سبحان اللہ اور الحمد للہ اس تمام فضا کو پُر کر دیتے ہیں جو آسمان اور زمین کے بیچ میں ہے۔

یہ ایک ایسی ہستی کا اعلامیہ تھا جو کائنات کا حقیقت شناس ہے اور ہم اس کو رسول برحق مانتے ہیں مگر ہماری فلسفہ زدہ شکی طبیعت اس ارشاد کی تاویل و توجیہہ کرتی رہی۔ اور کبھی ایسا بھی ہوا کہ یہ حدیث پڑھتے ہوئے ہمیں جھجک ہوئی۔ کہ محققین فلسفہ ہمیں اوہام پرست کہیں گے۔ معاذ اللہ

بیسویں صدی کے سائنس دانوں کو خدا ہدایت نصیب کرے۔ انہوں نے خود اپنے اماموں اور پرانے استادوں "فلاسفہ قدیم" کی تردید کی۔ سات سمندر سے پار امریکہ کی راجدھانی واشنگٹن سے ایک شخص ریڈیو پر بولتا ہے۔ دنیا کے ہر گوشے سے اس کے الفاظ سن لئے جاتے ہیں۔ کیا بولنے والے کے الفاظ ختم ہو گئے تھے فنا ہو گئے تھے اگر فنا ہو گئے تھے تو یہ فضا ان الفاظ سے کیسے بھر گئی۔ کیا بجلی کی لہروں نے ان الفاظ کو دنیا کے ہر گوشے میں کس طرح پہنچا دیا اگر یہ ختم اور فنا ہو گئے تھے۔

تقریر کرنے والے یا بولنے والے کے قریب آپ نے چھوٹا سا آلہ رکھ دیا۔ آپ کی تمام تقریر اور تمام گفتگو ریکارڈ ہو رہی ہے۔ تقریر کرنے والے کی وفات ہو گئی۔ مگر اس کی تقریر کا یہ ریکارڈ موجود ہے۔ جب چاہیں آپ سن لیں۔ کیا عجب ہے اس طرح کی پوری قوت قدرت نے خود ہماری آنکھ، ناک، جلد اور بدن کے حصہ میں رکھ دی ہو۔ اور نہ رکھی ہوتی تو ہم باہر بھی اس کا ادراک کیسے کر سکتے جب کہ ہم میں اس کیفیت کا شعور ہی نہ ہوتا۔ اس لئے ضروری ہے کہ ہم میں یہ کیفیت ہو۔ پس جب ہم میدانِ حشر میں، داورِ محشر کی عدالت میں اپنے کسی قول یا فعل کا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

انکار کریں تو ممکن ہے کہ ہمارے اعضاء کا یہ مخفی ریکارڈ دفعۃً بجنے لگے اور ہمارا پول کھول دے کما یشیر الیہ قولہ تعالیٰ وما کنتم تستترون ان یشہد علیکم سمعکم (الایۃ)

اور ملاحظہ فرمائیں، کسی شرارت پسند بدزبان نے یا کسی نیک اور سنجیدہ بزرگ نے غصہ سے بے تاب ہو کر کسی کو گالی دے دی۔ پھر زبان رک گئی۔ الفاظ ختم ہو گئے۔ فضا میں خاموشی چھا گئی۔ کیا گالی کے الفاظ کی تاثیر بھی ختم ہو گئی مگر شاعر نے عربی زبان میں کہا تھا۔

جراحات السنان لہا التیام ولا یلتام ما جرح اللسان

نیزے کے زخم بھر جاتے ہیں مگر وہ زخم نہیں بھرتا جو زبان نے لگایا ہو۔

فنا میں بقا جس کی چند مثالیں پہلے گذریں صرف زبان کے فعل اور زبان کی حرکت تک ہے یا انسان کے ہر فعل کی یہی خاصیت ہے کہ بظاہر ختم ہو جاتا ہے۔ مگر واقعہ اور حقیقت کے لحاظ سے کبھی ختم نہیں ہوتا۔ ہمیشہ باقی رہتا ہے۔ اتنا تو ہمیں معلوم ہے یعنی ہمارے مشاہدہ کی بات ہے۔ کہ جب تک انسان کا سانس باقی ہے عمل کی تاثیر ختم نہیں ہوتی۔

تاریخ کا مشہور واقعہ ہے کہ فردوسی نے جب سلطان محمود غزنوی کی فرمائش بموجب ساٹھ ہزار شعروں کا شاہنامہ پیش کر دیا۔ تو اول اپنی قرارداد کے بموجب انعام دینے میں محمود غزنوی کو تامل ہوا بالآخر جب یہ طے کر لیا کہ جو انعام (فی شعر ایک دینار) طے ہوا تھا۔ وہ ادا کرنا ہے تو انعام کی رقم فردوسی کے مکان کی طرف چل رہی تھی۔ اور فردوسی زندگی کے سانس پورے کر کے قبرستان جا رہا تھا (اللہ بس باقی ہوس)

مطلب یہ ہے کہ فردوسی نے جو فعل کیا تھا اس کی تاثیر نہ صرف اس کی زندگی کے آخری سانس تک باقی رہی بلکہ اس کی وفات کے بعد بھی باقی رہی اور کہہ سکتے ہو کہ اتنی تاثیر آج تک باقی ہے۔ کہ ہر صاحب نظر کی نظر میں فردوسی قابلِ احترام ہے اور سلطان محمود پر اعتراض کیا جاتا ہے کہ اس نے وعدہ پورا کرنے میں پس و پیش کیوں کیا۔

اچھا جب ہم نے کہا کہ انسان ختم ہی نہیں ہوتا۔ موت فنا نہیں ہے بلکہ انتقال ہے۔ ایک عالم سے دوسرے عالم کی طرف تو کیا درست ہوگا کہ عملِ انسان کو ختم مان لیا جائے اور اسے منتقل شدہ نہ مانا جائے جس کے اثرات یہاں بھی رہیں اور وہاں بھی ہوں۔

ہاتف غیبی وحی کے ذریعہ انسان کو یہی تنبیہ کرتا رہتا ہے اور یہی آگاہی دیتا رہتا ہے۔ غافل جس طرح موت سے تیری فنا نہیں ہے تیرے عمل کو بھی فنا نہیں ہے۔

یہاں ہم ان کو نہیں مانیں گے جن کو انسانی ترقی اور انسانی تنزلی کا فرق بھی معلوم نہیں ہے جن کی ترقی کا الٹا اثر یہ ہے کہ نوعِ انسان دولتِ اطمینان سے محروم ہے اور جیسے جیسے ترقی کی رفتار تیز ہو رہی ہے اور آپس کی بے اعتمادی بڑھ رہی ہے خوف و ہراس کی وبا پھیل رہی ہے۔ انسان کو انسان سے نفرت ہو رہی ہے اور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جذبات عداوت میں بحران پیدا ہو رہا ہے۔ دعویٰ ہے دانشمندی اور ہمہ دانی کا۔ مگر دانش وری یہ ہے کہ خود اپنی خبر نہیں کہ وہ کیا ہے ؎

با ہمہ ذوقِ آگہی، ہائے رے پستیٔ بشر
سارے جہاں کا جائزہ اپنے جہاں سے بے خبر

ایک صاحب فرماتے ہیں اور صحیح فرماتے ہیں ؎

نور و نار بھی شامل ہے، سوز و ساز بھی داخل ہے
جانے کیا کیا ترکیبیں ہیں، اجزائے انسانی میں
یہ کھٹکا سا ہے کیا، آخر جس کے سہارے جیتا ہوں
حال دنیا معلوم ہو گیا، جب حال دل معلوم نہیں

ایک دانش مند کے خیال میں دانشوری یہی ہے کہ نادانی کا اعتراف کیا جائے۔

تا بداں جا رسید دانش من — کہ بدانم ہمی کہ نادانم

یہاں ہم صرف ان کی بات مانیں گے جن کے متعلق دنیا کے دانشور دانش مند مانتے ہیں قدرت نے ان کو پیدا ہی اس لئے کیا تھا کہ وہ انسان کو آگاہ کریں کہ انسانیت کیا ہے آدمیت کسے کہتے ہیں۔ اس کا کیا مقصد ہے اور وہ کیا فرائض ہیں جو اس پر عائد ہوتے ہیں۔ دنیا میں ہر فن کے ماہر ہوتے ہیں۔ اس فن سے ان کو دلچسپی ہوتی ہے اور ان کا نشو و نما ابتدا سے ایسا ہوتا ہے جو اس فن کے مناسب ہوتا ہے۔ انسانیت کی تشخیص، انسانیت کا بناؤ سنوار یہ ہر ملک اور ہر قوم میں اس کے ماہر گذرے ہیں۔ انہوں نے انسان کو پہچانا، انسانیت کو پہچانا اس کی خوبیوں اور خرابیوں کو معلوم کیا۔ خوبیوں کو بڑھانے اور خرابیوں کو دور کرنے کی ترکیبیں بتائیں۔ نسخے ایجاد کئے۔ مذہب کی زبان میں ان کو نبی کہتے ہیں ہم ان سب کا احترام کرتے ہیں۔

یہ مسئلہ ہم ان سے دریافت کریں گے۔ کہ عمل کا تعلق عمل کرنے والے سے کیا ہوتا ہے۔ وہ ختم ہونے والی چیز ہیں یا پتھر کی لکیر ہیں جو ہر انسان پر کندہ ہو جاتی ہیں۔ کیا عمل کا بھی ایک عالم ہے اور جس طرح ہمارے الفاظ فضا میں پھیلے ہوئے ہیں۔ اور اپنا وجود رکھتے ہیں۔ یہ عمل بھی اپنی خصوصیات اور تاثرات کے ساتھ اپنا وجود رکھتے ہیں۔

روحانیت کے ماہرین اور شرافت و انسانیت ان فن کاروں نے جن کو نبی کہا جاتا ہے بالاتفاق ایک ہی بات بتائی تھی مگر ان کی بتائی ہوئی باتیں لوگوں کو یاد نہیں رہیں کیونکہ انہوں نے ان کو اپنے زمانے میں لکھوایا نہیں تھا۔ اور اگر کسی نے کچھ لکھوا دیا تو وہ گم ہو گیا۔ یا جس زبان میں لکھوایا ہو گا تو وہ زبان محفوظ نہیں رہی ایک چیز بالکل محفوظ ہے۔ اس کو اسی وقت لکھوا دیا تھا جب اس کا نزول ہوا تھا۔ لکھوانے کے ساتھ یاد بھی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

گرا دیا تھا۔ چنانچہ وہ ابتدا سے لے کر آج تک صحیفوں اور تحریروں میں بھی محفوظ چلا آتا ہے۔ اور لاکھوں کروڑوں انسانوں کے سینوں میں بھی اسی طرح محفوظ ہے۔ یہ قرآن حکیم ہے جو صرف حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کا مجموعہ نہیں بلکہ ان تمام مقدس انسانوں کی تعلیمات کا محفوظ مجموعہ ہے جو روحانیت کے ماہر اور روحانیت کے معلم بن کر دنیا میں آئے۔ وہ دنیا سے الگ رہتے ہوئے دنیا والوں کی اصلاح کرتے رہے نوعِ انسان کی درستی اور انسانیت کی سدھار میں انہوں نے اپنی پاک زندگیاں صرف کیں۔ ان مقدس اور پاک بزرگوں نے جو بتایا وہ عقل سے بعید نہیں۔ بلکہ رات دن کا ہمارا مشاہدہ ہے۔ ہم دیکھتے ہیں تجربہ کرتے ہیں مگر غور نہیں کرتے۔

مشاہدہ:۔ اس سے کون انکار کر سکتا ہے کہ انسان جس طرح مختلف عناصر کا مجموعہ ہے اسی طرح اس کے ذہن اور دماغ کا چھوٹا سا سوٹ کیس یا فائل بکس بہت سی صلاحیتوں کا سیف و خزانہ ہے۔ ہر ایک صلاحیت اپنے اپنے خزانہ میں سجی ہوئی ہے۔ انسان جس کو بڑھانا چاہے بڑھا سکتا ہے۔ بڑھانے والی چیز پریکٹس ہے (مشق یعنی مسلسل عمل) مشق سے پہلے تعلیم کی ضرورت ہوتی ہے۔ مگر تعلیم صلاحیت کو بڑھاتی نہیں اس کو بیدار کرتی ہے اس کا رخ کرتی اور راستہ مقرر کر دیتی ہے۔

ریت اور کنکریوں سے کھیلنے والا بچہ بڑا ہوا تو طبیب حاذق یا ڈاکٹر تھا۔ اس کی فطرت میں ایک صلاحیت تھی تعلیم نے اس کو بیدار کیا، چمکایا اس کو طبابت اور ڈاکٹری کے راستہ پر لگایا اور رات دن کی مشق اس کی صلاحیت کو پختہ کر دیتی ہے۔ مرض کی تشخیص کر کے وہ نسخہ تجویز کرتا ہے۔ مریض شفایاب ہوتا ہے اور اس کا تجربہ بڑھتا ہے اور صلاحیت پختہ ہوتی ہے یہاں تک کہ طبابت اس کا مزاج بن جاتی ہے۔ رب اور پروردگار کا اعتراف فطری جوہر ہے تعلیم نے اسے روشن کیا۔ پھر تعلیم پر اس نے عمل کیا تو یادِ خدا اس کی طبیعت ثانیہ بن گئی۔ اور وہ ایسا ہو گیا کہ دنیا والے اسے دیکھتے ہیں تو ان کو بھی خدا یاد آجاتا ہے۔ جلاد کو جب پہلی مرتبہ قتل کرنے یا پھانسی پر چڑھانے کا حکم دیا گیا اس کو بہت جھجک ہوئی گویا خود اس کو پھانسی دی جا رہی ہے لیکن جب یہ عمل بار بار کیا گیا تو جھجک کے بجائے اسے مزہ آنے لگا اس کی طبیعت جلاد بن گئی اور اب کی صورت دیکھتے ہیں تو خوف معلوم ہوتا ہے

دنیا کے ان تمام مقدس بزرگوں نے جن کو نبی کہا جاتا ہے۔ یہی بتایا ہے کہ انسان کا کوئی عمل رائیگاں نہیں جاتا۔ وہ انسان کی صلاحیت پر اثر ڈالتا ہے۔ اور اس کو اپنے رنگ میں رنگ دیتا ہے اچھے عمل کرنے والا انسان اچھا ہو جاتا ہے۔ برے عمل کرنے والا انسان برا بن جاتا ہے۔ جیسا بوتا ہے ایسا ہی پھل پاتا ہے۔ ببول کے بیج بو کر انگور کے خوشوں کی توقع نہیں کی جا سکتی۔

© rasailojaraid.com